سعدیہ ریاض
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور
ڈاکٹر عظمت رباب
استاد شعبہ اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور

الطاف فاطمہ کے ناول "نشانِ محفل" کا تجزیہ

Sadia Riaz
PhD Scholar, department of Urdu, Lahore College for women university Lahore.
Dr. Azmat Rubab
Associate professor, department of Urdu, Lahore College for women university Lahore.

Analysis of Altaf Fatima's Novel "Nishaan e Mehfil"

The independence of Pakistan and the migration of large number of Muslim families from all over India to the provinces comprising Pakistan was a great historical experience. The social upheaval gave birth too many stories of heart rending experiences. Many a novel and short stories have been written on the subject. Ms Altaf Fatima has written four novels which encompassed the tragic tragedy. All of them revolve round the experience of the creation of Pakistan. In this paper, Sadia Riaz in cooperation with Dr. Azmat Rubab analysis her novel "Nishaan e Mehifil".

Key Words: *Independence, Migration, Muslim Families, Provincesm Comprising, Historical, Novel.*

اردو افسانوی ادب میں الطاف فاطمہ کا نام نمایاں مقام کا حامل ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں جو موضوعات پیش کیے ہیں ان میں غالب موضوع ہجرت، آزادی کا تصور اور ہجرت کے مسائل و مشکلات کا بیان ہے۔ ان کے چاروں ناول منظرِ عام پر آئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ نشانِ محفل
۲۔ دستک نہ دو
۳۔ چلتا مسافر
۴۔ خواب گر

اگر ان ناولوں کی تکنیک پر غور کریں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ یہ ناول عموماً تین اہم مراحل پر مشتمل ہیں۔ پہلے حصے میں آزادی سے قبل کے حالات و واقعات پیش کیے گئے ہیں، دوسرے حصے میں تقسیم اور ہجرت کے مسائل و مشکلات کا بیان ہے اور تیسرے حصے میں پیش منظر کے طور پر آزادی کے بعد کی صورتِ حال کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

الطاف فاطمہ کے ناول عموماً ایک دو یا مرکزی کرداروں پر مشتمل ہوتے ہیں اور باقی کے کردار اسی کردار کے گرد گھومتے یا اثر انداز ہوتے دکھائے دیتے ہیں۔ الطاف فاطمہ کا ناول "نشانِ محفل" دارالبلاغ لاہور سے شائع ہوا۔ یہ ان کا پہلا ناول ہے جس کا موضوع مشرق اور مغرب کی روایات، نقطہ نظر، لائحہ عمل، رسوم و رواج اور معاشرت کا فرق ہے۔ یہ فرق ایک رومانوی کہانی کے ذریعے بیان کیا گیا ہے جس کا انجام المناک لیکن حقیقت سے بہت قریب ہے۔ ابتدا میں ایک کردار روبینا کا تعارف کرایا گیا ہے جو اپنی بہن، دو بھائیوں اور ماں باپ کے ساتھ لندن میں رہتی تھی۔ یہ عیسائی پروٹسنٹ گھرانا تھا۔ ان میں روبینا کی شکل و صورت بہت خوبصورت اور من موہنی تھی، نیلی آنکھوں، سنہری بالوں والی یہ لڑکی ابتدا ہی سے شوریدہ سر اور دوسرے بہن بھائیوں کی عادات سے مختلف دکھائی گئی ہے۔ وہ اپنے گھر میں ہمیشہ اجنبیوں کی طرح رہتی اور کہتی کہ یہ گھر میرا نہیں ہے میں یہاں سے چلی جاؤں گی تو اس کی ماں انجانے وہموں سے سہم کر اسے اپنے ساتھ چمٹا لیتی اور کہتی کہ میں اپنی روبینا کو کہیں نہیں جانے دوں گی، میں تجھ کو پکڑ لوں گی۔ لیکن روبینا کا جواب ہوتا:

> "اور تم مجھ کو پکڑ لو گی تو میں بھاگ جاؤں گی۔ بہت دور تمھارے ہاتھ کبھی نہیں آؤں گی۔ پھر تم مجھ کو ڈھونڈو گی۔"(۱)

اور ناول کے آئندہ واقعات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جو اس نے اپنی ماں سے کہا وہ ہو بہو سچ تھا۔ اسے لکھنؤ سے آیا ہوا ایک نوجوان نادر حسین اپنے سانولے حسن اور ذہانت سے متاثر کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اس سے شادی کر کے لندن ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اس کے ساتھ ہندوستان آجاتی ہے۔ یہ دور تقسیم سے قبل کا ہے اور انگریزوں کے عہد میں ایک انگریز کے جو خیالات ہندوستانیوں کے بارے میں ہو سکتے تھے وہی روبینا کے تھے۔ وہ اپنے آپ کو حاکم اور نادر اور اس کے ملک کے لوگوں کو محکوم سمجھتی تھی جو ان کے غلام ہیں۔ نادر سے ملاقات سے پہلے وہ اپنے باپ کے دوست انکل اینڈی سے ہندوستانیوں کے بارے میں سوال جواب کرتی رہتی تھی۔ ایک دن ہندوستان کے ذکر پر اس نے پوچھا:

چھا تو آپ وہاں بھی گئے تھے؟ ہمارے اپنے غلاموں کے ملک میں، وہاں کیسا لگتا ہے، کالے مسکین غلاموں میں رہ کر ۔" وہ ہنس پڑتے "وہ مسکین غلام نہیں ہیں روبی، وہ بڑے سر پھرے اور ضدی ہیں۔ ان کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ وہ محکوم ہیں۔"(۲)

نادر سے جب اس کی ملاقات ہوئی تو وہ اس کی شخصیت سے متاثر ہو گئی اور اس کے بارے میں نہ چاہتے ہوئے بھی سوچنے لگی۔

"ہر اسانولا رنگ، کشادہ پیشانی، سیاہ چمکدار بال جن میں قدرتی لہریں تھیں۔ بڑی نفاست سے بغیر مانگ نکالے پیچھے کی طرف کیے ہوئے تھے۔ لمبی اور ستواں ناک اس کے دبلے اور لمبوترے چہرے پر بلا کی ذہانت اور تفکر جھلکتا تھا۔ جب وہ کسی بات کا جواب دینے کے لیے اپنی نگاہیں اٹھاتا تو ان کی سیاہی بڑی لکش معلوم ہوتی۔ یہ کالی کالی آنکھیں کسی اور کو بھی حسین اور دلربا لگ رہی ہیں یا صرف مجھے ہی۔ اس نے بے اطمینانی سے سوچا۔"(۳)

وہ اسے کسی مہاراجا کی مانند دکھائی دیا اور اس بات کا اظہار اس نے نادر سے کر بھی دیا۔ نادر نے جواب میں اسے مہارانی اور راجکماری جیسے القاب سے نوازا۔ نادر اسے اپنے ملک کے مندروں، مسجدوں، گنگا اور جمنا کے بارے میں بتاتا تو روبینا کا دل چاہتا کہ کہ ہوا کے دوش پر سوار ہو جائے اور اسی وقت اس سرزمین کو دیکھ آئے۔ وہ اسے چڑانے کے لیے اس کے ملک کی غلامی کا تذکرہ چھیڑ دیتی جس پر نادر اداس اور افسردہ ہو جاتا لیکن اس اداسی میں کہیں بھی احساسِ کمتری، مسکینی یا مظلومیت نہ ہوتی تھی۔

اس کے بعد کا منظر نادر کے گھر کا ہے جہاں اس کی بہن رابعہ کالج سے واپسی پر گھر آتی ہے تو اسے اپنے بھائی اور دوست بینا کے خط ملتے ہیں۔ بینا ان دونوں کی مشترک دوست تھی اور ہندو تھی۔ اس کا خاندان کافی عرصہ ان کے پڑوس میں رہا تھا اور پھر وہ لوگ کلکتہ چلے گئے تھے لیکن بینا چھٹیوں میں ان کے گھر آتی جاتی رہتی تھی۔ وہ نادر کو پسند کرتی تھی لیکن مذہب کی رکاوٹ کی وجہ سے وہ اس کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ نادر نے اپنی بہن کو دیگر باتوں کے علاوہ لکھا کہ ایک بہت ہی شاہی قسم کی کندن کے کام کی انگوٹھی خرید کر اجمل کو دے دینا۔ وہ اسی ہفتہ روانہ ہو گا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کے اور روبینا کے تعلقات منگنی کی رسم ادا کرنے تک آ پہنچے تھے۔ روبینا یہ انگوٹھی پہنتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یہ طلسماتی انگوٹھی ہے جو اس کو پراسرار مشرق میں بدھ اور کرشن کے ہندوستان میں اکبر اعظم اور جہانگیر کے ملک میں پہنچا دے گی، اور سچ مچ کے غلاموں کی یہ شہزادی اپنی راجدھانی میں پہنچ جائے گی۔ اس کی بہن ایملی کو اس خیال سے وحشت ہوتی کہ سارے ہندوستانی سپیروں کی طرح سانپ کو قابو کرنے کا منتر

جانتے ہیں۔ جس کو چاہتے ہیں پاگل کر دیتے ہیں۔ اس کی ماں حیران تھی کہ اس کے اور اس کی پیاری بیٹی کے درمیان ہزاروں میل زمین، وسیع سمندر اور فلک بوس پہاڑ حائل ہو جائیں گی۔ روبینا کے مزاج کی لمحہ لمحہ بدلتی کیفیت اور اس کی کاہلی کی وہ عادت جو ابتدا میں اس کے حسن میں اضافے کا باعث بنتی تھی وہی اس کی زندگی کے اہم واقعات کا پیش خیمہ تھے۔ ساحلِ سمندر کے راستے ہندوستان اور پھر ریل کے سفر میں نادر روبینا کو اپنے علاقے کے بارے میں بتاتا رہا۔ ابتدا میں تو وہ دلچسپی سے سنتی رہی لیکن پھر وہ شدت اور سرگرمی نہ رہی۔ بمبئی اور چار باغ کے سٹیشنوں پر اس نے غربت، بے چارگی اور غلاظت کا مشاہدہ کیا لیکن وہ نہ تو کچھ سوچ رہی تھی اور نہ ہی کوئی سوال کر رہی تھی۔ نادر کمپارٹمنٹ میں مزے سے سو رہا تھا۔

"اچھا تو دراصل یہ لوگ غلام ہیں۔ مگر نادر اور اس جیسے بے شمار لوگ؟ وہ بھی تو غلام ہیں، اور یہ دونوں ہی طبقے بڑے مگن نظر آتے ہیں۔ گویا بہت آرام سے ہوں، بالکل اسی طرح مطمئن ہیں جیسے نادر اس تکلیف دہ کمپارٹمنٹ میں مزے سے پڑا سو رہا تھا۔"(۴)

رابعہ انھیں لینے اسٹیشن آئی ہوئی تھی۔ بی اماں گھر پر تھیں۔ انھوں نے اپنے جذبات دل میں چھپائے اپنی بہو کا استقبال جوش و خروش سے کیا۔ آنے والے چند دنوں میں روبینا مختلف خیالات کا شکار ہوئی۔ ایک طرف تو وہ ہندوستانی ماحول سے متاثر ہوئی لیکن دوسری طرف اسے اس بات کی جھنجھلاہٹ اور مایوسی ہوئی کہ وہ جو اس کے اور اس کی قوم کے غلام ہیں، اس سے اس قدر بے نیازی کا سلوک کیوں کر رہے ہیں۔ وہ کسی سے گھُل مل نہ سکی کیونکہ وہ اردو نہیں جانتی تھی، اس کے نہ ہی اس نے کوشش کی کہ وہ ان میں بیٹھے اور اس ماحول کا حصہ بن سکے۔ نادر اس کا بہت خیال رکھتا تھا کیونکہ اسے اس بات کا خیال تھا کہ وہ اپنے بہن بھائیوں اور ماں باپ کو چھوڑ کر سات سمندر دور اس کے ساتھ آئی ہے۔ لیکن وہ دن بدن چڑچڑی اور جھگڑالو ہوتی چلی گئی۔ نادر کی وہ خوبیاں جس سے وہ متاثر ہوئی تھی اب وہی خامیاں بن کر اس کے سامنے آنے لگیں۔ کبھی وہ مالی کی شکایت کرتی تو کبھی دھوبی کی اور کبھی نادر کی مصروفیات کی۔ نادر نے کالج جوائن کر لیا تھا، وہ اس صورت حال پر حیران ہو کر سوچتا:

> "کوئی بھی تو نہیں بدلا، تم خود ہی بدل گئے۔ تم نے اپنی زندگی کے دھارے پر بڑا زبردست بند باندھا ہے جو تمھاری زندگی کا رخ بدل دے گا۔ پہلے والا نادر کہاں۔ اس کو تو تم نے مغرب کی برف پوش وادیوں میں ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا۔"(۵)

وہ روز بروز چڑچڑی ہوتی چلی گئی اور اس نے الگ گھر کا مطالبہ بھی نادر سے کر دیا لیکن وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا کیونکہ اس گھر سے اس کی جڑیں گہری تھیں۔ وہ اپنی ماں اور بہن کو چھوڑ کر کیسے جاتا۔ وقت گزاری کے لیے وہ اسے کلب لے جانے لگا لیکن وہ وہاں جلد ہی بوریت محسوس کرنے لگا۔ تو وہ خود اکیلے جانے لگی۔ نادر، بینا اور رابعہ کے مشترک دوست اویناش نے انھیں آگرہ بلایا تو وہ سب وہاں جانے کو تیار ہو گئے۔ وہ سب مل کر کوشش کرتے کہ روبینا بور نہ ہونے پائے لیکن وہ زیادہ وقت الوئوں کی طرح بیٹھی انھیں دیکھتی رہتی اور سوچتی۔

"کم بختوں نے نہ جانے کیا چیز گھول کر پی رکھی تھی۔ بیک وقت ادب، فلسفہ، آرٹ، سائنس، نفسیات غرض ہر چیز پر بولتے اور پھر ان کے اپنے ملک کی سیاست اور مسائل کا دکھڑا کیا کم تھا اور یہاں پر تو وہ ان کی حریفِ مخالف ہی ٹھہری۔ ان کی باتیں، ان کے نظریے، اس کے پلے نہ پڑتے، اور پھر یہ لڑکیاں کم بختیں اور جلاتیں، نہ جانے کس قسم کی بلائیں تھیں۔ سخت روشن خیال اور بے حد دقیانوسی۔ روٹیاں پکا رہی ہیں، اور ہندوستان کی آزادی زیرِ بحث ہے۔ برطانوی حکمرانوں کی پالیسی پر نکتہ چینی ہو رہی ہے۔ ہر قسم کے میک اپ اور نخروں سے بے نیازی کا اظہار ہے، مگر اپنے ان ہی سادے سادے اندازوں میں جانے کیا انداز اختیار کرتیں کہ غضب کی جاذب اور من بھائونی نظر آتیں۔ کبھی دیکھو تو بیٹھی ستار بجا رہی ہیں، اور کبھی دیکھو تو ہاتھ میں جھاڑو لیے کھڑی ہیں۔"(۶)

اویناش کا قدیم انداز میں بنا ہوا جدید گھر دیکھ کر اور گھر والوں سے مل کر روبینا کو اچھا لگا۔ اسے اویناش کا تحکم بھرا انداز، بڑی بوڑھیوں کی طرح کوسنے دینے کا انداز بھا گیا۔ مذاق ہی مذاق میں اویناش نے اس کا ہاتھ دیکھا اور پھر بہت سنجیدگی سے اسے نصیحت کی:

> "یہی کہ نادر تمھارا بہترین ساتھی ہے۔ اس کی قدر کرنا، ہیرے کو پرکھنا تو جوہری کا کام ہے، پھر بھی اگر ہیرے کے مقابل پتھر آجائے تو اناڑی بھی پہچان سکتا ہے۔ ہیرے کو پرکھنے کی اہلیت نہ ہو تو پتھر ہی کو پہچاننا سیکھ لو۔"(۷)

لیکن روبینا کا سیماب صفت دل تو ہر کسی پر آجاتا تھا، یہاں تک کہ اویناش جس کے بارے میں سبھی کو علم تھا کہ وہ بینا کو چاہتا ہے، اسے بھی پسند کرنے لگی تھی اور اس کے بارے میں سوچتی رہتی تھی۔ بیٹے کی پیدائش نے بھی اس پر کوئی اثر نہ ڈالا، محمود کے آنے سے پورے گھر میں رونق ہو گئی تھی لیکن وہ اب بھی اس ماحول سے بیزار تھی۔ نادر نے اپنے تبادلے کی کوشش کی اور آخر کار وہ لوگ الہ آباد چلے گئے۔

"اور اس خواب دیکھنے والے شخص نے اپنی تمام وابستگیوں اور پرانے ماحول سے صرف اس لیے کنارا کر لیا تھا کہ شاید وہ اسے یوں خوش رکھ سکے گا۔ دوسرے کی خوشی اور جذبات کا احترام اکثر بہت سی چیزوں کی قربانی دے کر ہی کیا جاتا ہے۔"(۸)

الہ آباد میں صرف چند روز ہی وہ اپنے گھر میں دلچسپی لے سکی، پھر آہستہ آہستہ وہ بے زار ہونے لگی اور اس کا زیادہ وقت دوسری یورپین فیملیوں کے ساتھ گزرنے لگا۔ نادر اپنے چند شاگردوں کو گھر ہی بلا لیتا تھا، انھی میں ایک ایبک بھی تھا جو اکثر اتوار کو بھی آجایا کرتا تھا۔ روبینا نے اسے دیکھا تو اس کے دراز قد، صاف رنگت، بھوری آنکھوں اور سنہرے بالوں سے متاثر ہو گئی اور آہستہ آہستہ اس سے اس حد تک بے تکلف ہو گئی کہ اس کا انتظار کرنے لگی۔ ایبک کو بھی اس کی وارفتگی کا اندازہ ہو چلا تھا، لہٰذا اس نے بے نیازی کا رویہ اپنا لیا لیکن آخر کار اس نے حسن کے سامنے ہتھیار پھینک دیے تاہم اسے اپنی حدود میں رہتے ہوئے اس بات کا لحاظ تھا کہ وہ اس کے استاد کی بیوی ہے۔ وہ اس کشمکش سے تنگ آکر وہ شہر چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے بعد روبینا زیادہ چڑچڑی ہو گئی اور نادر سے لڑائی جھگڑا کرنے لگی۔ نادر کی طبیعت دن بدن گرنے لگی اور روبینا بھی بیمار وہ گئی تو اس نے شملہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس تبدیلی سے ان کے تعلق میں بھی خوشگوار تبدیلی آئی لیکن یہ زیادہ دیر کے لیے نہ تھی، وہاں ایبک سے ملاقات ہو گئی اور یہ دراصل نادر سے اس کی قطع تعلقی کے تابوت میں آخری کیل تھی۔

ایبک! تم مجھے دیر سے کیوں ملے۔ میرا دل کہتا ہے۔ مجھے تمھارے لیے کوئی قربانی دینا پڑے گی۔ تم مجھے پہلے کیوں نہ مل گئے۔"(۹)

اور یہ قربانی اس نے نادر کی دی۔ ایبک کو اسکے خیال سے کوفت ہوتی تھی لیکن بقول مصنف:

"یہ اس لیے کہ اس کو یہ اندازہ نہ تھا کہ وہ انگریز عورت ہے اور یہ اس قوم کی صفت ہے کہ ہر خوشگوار یا ناخوشگوار فرض کو مستعدی اور دلچسپی سے انجام دے گی۔"(۱۰)

نادر اپنی ماں کی وفات پر گھر گیا تو ان دونوں کو مزید کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ وہ واپس آیا تو روبینا کے تیور بدلے ہوئے تھے، اس نے طلاق کا مطالبہ کر دیا اور وجہ بھی بتا دی۔ نادر نے اس بار بھی خاموشی سے یہ غم برداشت کر لیا اور ان کی زندگی سے نکل گیا۔ وہ محمود کو اپنے ساتھ لے گیا، عدت کے بعد اس نے ایبک سے نکاح کر لیا، وہ ایک بیٹی اور بیٹے کی ماں بن گئی، اسی دوران میں انھیں پتا چلا کہ نادر اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔

"تم مجھے یوں یاد آئو گے۔ اور تم سے ترکِ تعلق کر کے بھی اتنا گہرا رابطہ رہے گا۔ یہ میں نے کبھی نہ سوچا تھا مگر کیا میں تمھارے لیے اس درجہ اہمیت رکھتی تھی۔ سچ بتائو کیا تم میری وجہ سے اپنے جی سے گزر گئے۔ نادر کیا واقعی! وہ گھر جس میں تم مجھے بیاہ کر لائے تھے اب ہمیشہ کے لیے ویران ہو گیا۔ اب اس میں کبھی وہ ہنسی اور قہقہے نہ گونجیں گے۔ تمھاری موت مجھے کیوں رلا رہی ہے۔ مجھے اس گھڑی یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میں تمھاری بیوہ ہوں۔ شاید اس لیے کہ تمھارے مرنے سے میرا بچہ جو یتیم ہو گیا۔"(۱۱)

ایبک کا تبادلہ دہلی ہو گیا۔ اس کی معمولی تنخواہ میں گزارا ممکن نہیں تھا، وہ خود گھر کا سارا کام کرتی تھی۔ ایک دن ایبک ملازمت سے برطرف ہو گیا، اس نے بتایا کہ اپنے ہندو افسر سے لڑائی کے بعد اسے ملازمت سے نکال دیا گیا ہے کیونکہ وہ اس کی جگہ پر ایک ہندو کو لانا چاہتا تھا۔ روبینا نے بہت معصومیت سے پوچھا کہ یہ ہندو مسلمان کیوں نہیں صلح سے رہتے۔ یہ تو بڑی دشمنی کی بات ہے تو ایبک نے کہا:

> "اور ہم پاکستان کس لیے جا رہے ہیں، سر تو نہیں پھرا ہے ہمارا۔ عاجز کر دیا ہے۔ نہ کسی مقابلے میں آنے دیں، نہ کسی ملازمت میں جمنے دیں، تجارت ساری ان کے ہاتھ میں ہے۔"(۱۲)

تقسیم کے بعد وہ بے سروسامانی کے عالم میں ایک دوسرے کے سہارے مشکلات کو برداشت کرتے رہے۔ ایبک نے والٹن کیمپ ہی میں چھوٹی سی ملازمت کر لی۔ محمود بھی انھیں مل گیا۔ اسے دو کمروں کی ایک چھوٹی سی کوٹھی مل گئی۔ وہاں وہ فلورنس کے ساتھ ملی اور اس کے ساتھ اس کے گھر پارٹیوں میں شرکت کرنے لگی اور گھر کو نظر انداز کر دیا۔ ایبک نے اسے بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانی تو ایک دن وہ پرمٹ بنوا کر چپکے سے بارڈر کراس کر گیا۔ فسادات میں بینا، محمود کو لینے مسوری گئی تو مدر نے کہا:

> "بینا دیوی! میں اس بچے کو کسی قیمت پر تمھارے حوالے نہیں کر سکتی۔ تم خود سوچ لو کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ کیا کر رہے ہو۔ ایسی صورت میں کسی پر کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ میں اس کی ذمہ داری اس لیے بھی محسوس کرتی ہوں کہ یہ ایک یورپین عورت کا لڑکا ہے۔ میں نے اس کو خط لکھا ہے۔ چند دن میں کوئی جواب آ جائے گا۔ تم بے شک واپس چلی جائو اور جو چاہے کر لو۔"(۱۳)

رابعہ کو خط لکھتے ہوئے بینا نے لکھا کہ جب اویناش نے مدر کا جواب اور میرا شک سنا تو وہ چیخ مار کر رویا اور کہنے لگا۔ تم سچ کہتی ہو۔ انسان اس حد تک ذلیل ہو چکا ہے کہ اس کا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔

ڈھائی ماہ بعد ایبک واپس آ گیا لیکن روبینا کے اطوار دیکھ کر وہ پھر الہ آباد چلا گیا جہاں اسے سرن ملا۔ سات مہینے کے بعد وہ واپس لاہور گیا تو روبینا نے دو میں سے ایک کمرہ کسی کرسچن عورت کو پگڑی پر دے رکھا تھا۔ روبینا اب بہت بے نیاز ہو گئی تھی اور ڈرنک بھی کرنے لگی تھی۔ ایبک مشرقی پاکستان چلا گیا اور وہاں سے اس سے اپنے کسی دوست اینڈریو بیکر کے توسط سے پانچ سو روپے بھیجے اور ساتھ اپنی پشیمانی اور ندامت بھی کہ وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکا لیکن وہ اسے طلاق دینے کی ہمت نہیں رکھتا تاہم اگر وہ مطالبہ کرے گی تو وہ ایسا کر گزرے گا۔ محمود نیوی میں انجینئرنگ لائن کی ٹریننگ کے لیے انگلستان چلا گیا۔ روبینا بچوں کو لے کر ایبک کے ماں باپ کے گھر پشاور گئی تو وہاں اس کا اچھے طریقے سے استقبال کیا گیا۔ وہ ہمایوں کو وہاں چھوڑ آ گئی اور ہما کو اپنے ساتھ لے کر لاہور آ گئی۔

"یہ قوم ابھی حال ہی میں آزاد ہوئی ہے مگر ہر قسم کے جذبہ اور احساس سے عاری ہے۔ کسی قسم کا ایثار اور تکلیف اٹھانے کا مادہ اس میں ہے ہی نہیں۔ ان کپڑوں کے پیچھے اپنی کرنسی ختم کر رہی ہے۔ یہ لوگ ظاہری چمک دمک سے کیسے مطمئن ہو جاتے ہیں۔"(۱۴)

وہ پاکستان سے سونا لے کر ہندوستان جاتی اور وہاں بیچ کر واپسی پر کپڑا ساتھ لے آتی اور سوچتی:

"ایک بالکل نئے ملک کے برے ہی تباہ حال جمہور کا زر مبادلہ اور سونا یوں چند نقلی اور ناپائیدار قسم کے چیتھڑوں کے بدلے ختم ہو رہا ہے۔۔۔۔ اچھا ہے کم بختو تم یوں ہی تباہ ہو جائو۔ تمھاری عورتیں مانگے کی چمک دمک سے خود کو شوکیس کی گڑیوں کی طرح سجاتی بناتی رہیں۔ تمھارے لیڈر جمہور کو دھوکے دیتے رہیں اور اخباروں اور سرکاری رسالوں میں تعمیر و ترقی کی پر فریب تصویریں نکلتی رہیں۔ تمھاری جڑیں کھوکھلی ہوتی رہیں۔"(۱۵)

وہ ہما کے ساتھ ایبک سے ملنے ڈھاکہ پہنچی۔ ایبک سے مل کر پتا چلا کہ اسے ٹیوبر کلوسس ہو گئی ہے تو اس نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا اور ایبک سے اس بات کا اقرار کرا لیا کہ وہ ہما کو اپنی بہن ایمیلی کے پاس بھیج دے گی۔ ایمیلی کے دونوں بچے دریا میں ڈوب کر مر گئے تھے۔ ہما وہاں سکون سے زندگی گزار سکے گی۔

روبینا کے اس ردِ عمل نے ایبک میں ایک بغاوت پیدا کر دی۔ اب وہ ٹھیک ہونا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اس کے لیے شعوری کوششیں شروع کر دیں وہیں ہسپتال میں اس کی ملاقات بنگالی لڑکی عائشہ سے ملاقات ہوئی جس کا منگیتر فسادات میں مارا گیا تھا، وہ روبہ صحت ہو کر کھلنا واپس جا رہی تھی تو ایبک نے اسے شادی کا پیغام دیا اور اسے بتایا کہ روبینا نے واپس جاتے ہی طلاق کا مطالبہ کر دیا تھا کیونکہ وہ اس کی بیماری سے ڈر گئی تھی۔

روبینا نے ہما کو جہاز پر سوار کرا دیا اور اپنے سب بچوں کے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگی کہ وہ محفوظ ہیں۔ ایسے میں اسے آسمانوں کی ماورائی بلندیوں پر ایک سانولا سا چہرہ ابھرتا معلوم ہو رہا تھا۔ وہی سوچتی ہوئی اداس نظریں اور وہی پورے خلوص سے مسکراتے ہوئے لب۔ وہ اداس آنکھیں تر ہو گئیں۔ آہ نادر بتائو میں یہاں کیوں رہ گئی۔ میں یہاں سے جانا کیوں نہیں چاہتی۔ اور جیسے کسی نے جواب دیا۔ مجھے نہیں معلوم روبی! میں صرف یہ جانتا ہوں کہ جو کارواں آگے بڑھ گیا ہے تم اس کی محفل کا نشان ہو جو ضرور باقی رہتا ہے۔"(۱۶)

ان سطور کے ساتھ ناول کا اختتام ہو جاتا ہے۔ مشرق و مغرب کا تفاوت، تہذیبوں کا فرق اور اس کے پس منظر میں تقسیمِ برصغیر کے واقعات اس ناول کے موضوعات ہیں جنھیں الطاف فاطمہ نے اپنے مخصوص اسلوب میں مربوط کر دیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الطاف فاطمہ، نشانِ محفل، لاہور: دارالبلاغ، ص ۷

۲۔ ایضاً، ص ۱۰

۳۔ ایضاً، ص ۱۳

۴۔ ایضاً، ص ۳۱

۵۔ ایضاً، ص ۴۲

۶۔ ایضاً، ص ۶۲،۶۱

۷۔ ایضاً، ص ۷۲

۸۔ ایضاً، ص ۸۴

۹۔ ایضاً، ص ۱۸۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۸۸

۱۱۔ ایضاً، ص۳۶۱

۱۲۔ ایضاً، ص۳۸۱

۱۳۔ ایضاً، ص۴۳۰

۱۴۔ ایضاً، ص۴۶۴

۱۵۔ ایضاً، ص۴۶۵

۱۶۔ ایضاً، ص۴۸۳